الفاتحہ اور قرآن کی سورتوں کا باہمی تعلّق

ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)

قرآن حکیم کی سورتوں کی ترتیب میں ربط اور مناسبت پائی جاتی ہے اور اسی طرح آیات جس ترتیب کے ساتھ آئی ہیں ان میں بھی ربط اور مناسبت پائی جاتی ہے۔ اس موضوع پر بھی قدیم و جدید علماء اور مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ یہ ربط بعض دفعہ خود آیات سے اور بعض دفعہ نبی مکرم ﷺ کی احادیث سے سمجھا جاتا ہے۔ ہم اس مضمون میں اسی موضوع کے چند پہلوؤں کو نکھارنے کی کوشش کریں گے۔

(۱) ربط سورۃ الناس اور سورۃ الفاتحہ: جس طرح کرۂ ارض گول ہے اسی طرح اگر سارے قرآن کو ایک طویل صحیفہ پر لکھ کر گولائی میں لپیٹ لیا جائے تو سورۃ الناس اور سورۃ الفاتحہ ساتھ ساتھ نظر آئیں گی۔ یعنی قرآن کا اوّل' آخر سے مربوط نظر آئے گا۔ اور ہم اسی ربط پر بات کرنا چاہتے ہیں۔ سورۃ الناس میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے:

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳﴾

''کہہ دیجیے میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے رب کی' لوگوں کے بادشاہ کی' لوگوں کے معبود کی۔''

اور یہی تین صفات سورۃ الفاتحہ میں بیان ہوئیں:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳ اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾

''تمام تعریفیں تمام جہانوں کے رب کے لیے ہیں' جو رحمٰن و رحیم ہے' جزاو سزا کے دن کا مالک ہے' اور تمہاری ہی ہم عبادت کرتے ہیں۔''

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا تقابل رَبِّ النَّاسِ سے' مٰلِكِ (اور ایک قراءت میں مَلِكِ) کا تقابل مَلِكِ النَّاسِ سے' اور اللہ کے معبود ہونے (اِيَّاكَ نَعْبُدُ) کا تقابل اِلٰهِ النَّاسِ سے ہو رہا ہے۔

قرآن حکیم میں غور و فکر کے لحاظ سے ان تینوں صفات کو تین سطحوں پر سمجھا جا سکتا ہے۔ پہلی سطح آیات کا ظاہری مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کی نگہداشت کرنے والے ہیں' وہی مالک اور بادشاہ ہیں' اور جب سب کچھ انہی کا دیا ہوا ہے تو اللہ ہی کی عبادت ہونی چاہیے۔ اس سے زیادہ گہری سطح یہ ہے کہ یہاں انسان کی زندگی کے تین مرحلوں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

مرحلۂ طفولیت: جب بچہ اپنے باپ کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کے کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہے' وہی اس کی ضروریات کا کفیل ہے' ایسے ہی اس کی ماں کہ جس کی چھاتی سے اس نے اپنی پہلی غذا حاصل کی۔ گویا ماں باپ اس کے لیے رب کی حیثیت رکھتے ہیں' لیکن جوں جوں وہ بڑا ہوتا جاتا ہے اس پر آشکار ہونے لگ جاتا ہے کہ

اس کے ماں باپ تو خود کسی اور کے محتاج ہیں۔ رب وہ نہیں بلکہ رب وہ ذات ہے جس نے انہیں زندگی بخشی اور جو کائنات کی ایک ایک مخلوق کو اپنی رحمت وشفقت سے نواز رہا ہے۔ گویا بچہ ربوبیتِ آباء سے ربوبیتِ الٰہ کے تصور تک پہنچتا ہے۔

مرحلۂ جوانی: زندگی کے اس دور میں ہر نوجوان کہ جس کی رگوں میں جوانی کا خون دوڑ رہا ہوتا ہے' اپنے آپ کو طرم خان سمجھتا ہے' کسی کو خاطر میں نہیں لاتا' اپنی طاقت اور قوت کے نشے میں ہر شخص سے بھڑ جاتا ہے' ایک لحاظ سے اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا ہے کہ اپنی مرضی کا مالک ہے' نہیں چاہتا کہ کوئی اور اپنی مرضی اس پر مسلط کرے' لیکن جب وہ زندگی کی حقیقتوں سے روشناس ہوتا ہے' آزمائشیں اسے گھیر لیتی ہیں' مصائب اس کی ہمت کو کچل کر رکھ دیتے ہیں تو پھر وہ کہہ اٹھتا ہے کہ میں کیا اور میری شاہی کیا! اصل بادشاہ تو اللہ کی ذات ہے کہ جس کی مرضی ساری کائنات میں جاری وساری ہے۔

مرحلۂ شیخوخت: ایک شخص جس نے اپنی جوانی میں اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا' ساری زندگی اکڑفوں میں گزار دی' جب بڑھاپے کی عمر کو پہنچتا ہے' جب اس کے قویٰ جواب دینے لگتے ہیں' تب اسے بالآخر احساس ہو جاتا ہے کہ وہ جب پیدا ہوا تو عاجز ودرماندہ تھا اور جب وہ زندگی سے جانے والا ہے تب بھی عاجز ودرماندہ ہے' تو اسے ہر صورت اپنے عجز اور درماندگی کا اظہار اس شخصیت کے سامنے کرنا چاہیے جو ساری طاقت اور قوت کا مالک ہے' وہ جس کے ہاتھ میں زمین وآسمان ہیں اور جسے کوئی عاجز کرنے پر قادر نہیں۔ یعنی اس مرحلہ میں غور وفکر کے نتیجہ میں وہ معبود کے حق عبادت کو پہچان جاتا ہے' لیکن ضروری نہیں کہ ہر شخص کو یہ ہدایت نصیب ہو' ہدایت اسی کے نصیب میں آتی ہے جو اس کا طالب ہو۔

حال ہی میں ہندوستان کے مایہ ناز ادیب' صحافی اور سیاست دان خوشونت سنگھ راہی ملک بقا ہوئے' ننانوے سال کی طویل عمر پائی۔ کسی نے ان کے تذکرے میں لکھا کہ آخر عمر میں دوستوں سے بحث کیا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ ایک ہندو آشنا نے نرگ اور سورگ کا فلسفہ جھاڑا تو کہنے لگے کہ تم تو ایسے بعد از مرگ زندگی کا حال بیان کرتے ہو جیسے وہاں ہو آئے ہو! کاش کہ وہ قرآن کو بھی سینے سے لگاتے تو اپنے سوال کا کافی و شافی جواب پاتے۔

تیسری سطح ذرا اور گہرائی پر ہے: ان تینوں صفات سے توحید کے تینوں پہلوؤں کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ یعنی توحیدِ ربوبیت' توحیدِ الوہیت اور توحیدِ اسماء وصفات۔ توحیدِ ربوبیت کا مطلب ہے کہ مخلوقات کی پرورش کا سارا انتظام کہ جس کا رخ آسمان سے زمین کی جانب ہے' وہ صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے' اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جو اپنی مخلوق کی رزق رسانی کر رہا ہو۔ اور اگر وہی واحد رزق رساں ہے تو پھر ہماری دعائیں' ہماری نمازیں' ہماری تمام عبادتیں صرف اللہ ہی کے لیے ہونی چاہئیں کہ وہی وہ ذات لاشریک لہ ہے جو ہماری التجاؤں' دعاؤں' تمناؤں کو سن سکتی ہے اور پھر انہیں پورا بھی کر سکتی ہے۔ وہی اللہ ہے کہ جس نے اپنے لیے بہترین ناموں کا انتخاب کیا ہے ﴿وَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ﴾ وہ رحمٰن ہے' رحیم ہے' علیم وقدیر ہے' عزیز وحکیم ہے' سمیع وبصیر ہے' وہ جس کے ننانوے صفاتی ناموں کا قرآن وحدیث میں تذکرہ ہے۔ لیکن انسان یہ نہ سمجھے کہ چونکہ ان میں سے کئی

صفات خود اس میں بھی پائی جاتی ہیں‘ یعنی وہ خود بھی سنتا ہے اور دیکھتا ہے‘ علم اور قدرت بھی رکھتا ہے‘ رحمت و شفقت کے مظاہرے بھی کرتا ہے‘ بلکہ اسے جان لینا چاہیے کہ اس کی ان صفات کا اللہ کی صفات سے کوئی مقابلہ نہیں‘ اس کی یہ صفات ناقص و کمزور ہیں جبکہ اللہ کی یہی صفات کامل اور مکمل ہیں۔ اس کی صفات انتہائی محدود جبکہ اللہ کی صفات لامحدود ہیں۔ وہ اپنی صفات سے استفادہ کرنے کے لیے اسباب و وسائل کا محتاج ہے جبکہ اللہ خود وسائل اور اسباب کا خالق ہے‘ اور یوں انسان کی سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ اپنی صفاتِ کاملہ میں بھی یکتا ہے‘ کوئی اُس کا ان صفات میں ہمسر نہیں۔

اب آیئے اگلی آیات کی طرف:

﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ④ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ⑤ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ⑥﴾

یہاں شیطان کے شر سے پناہ مانگی جا رہی ہے جو وسوسہ ڈالتا ہے پھر بھاگ جاتا ہے‘ اور یہ وسوسہ لوگوں کے سینوں میں ڈالتا ہے‘ یہ شیطان جنوں میں سے بھی ہے اور عوام الناس میں سے بھی۔

اس مضمون کو تخلیہ کہا جاتا ہے‘ جبکہ سورۃ الفاتحہ میں اس کے مقابلے میں تحلیہ ہے۔ تخلیہ کا مطلب ہے خالی کرنا‘ تنہا کر دینا۔ اور تحلیہ کا مطلب ہے کسی چیز کو آراستہ و پیراستہ کرنا۔

سورۃ الناس میں سینے کو شیطان کے شر سے خالی ہونے کی استدعا کی گئی ہے اور سورۃ الفاتحہ میں پھر اس سینے کو ہدایت سے پُر کرنے کی دعا کی گئی ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے اگر معدہ ثقیل غذا کی بنا پر بدہضمی کا شکار ہو تو حکیم پہلے معدے کو قبض کشا دوا سے پاک وصاف کرتے ہیں اور جب معدہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ اچھی غذا قبول کر سکے تب مریض کو ہلکی لیکن مفید غذا کھانے کی ہدایت کرتے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قاعدے کے لحاظ سے پہلے تخلیہ ہونا چاہیے اور پھر تحلیہ‘ لیکن سورۃ الفاتحہ قرآن کی پہلی سورت ہے جس میں تحلیہ مذکور ہے‘ جبکہ سورۃ الناس آخری سورت ہے جس میں تخلیہ کا ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چاہے سورۃ الفاتحہ پڑھی جائے یا قرآن کی کوئی بھی سورت‘ تعوذ (یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ) پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ فرمایا: ﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ⑨⑧﴾ (النحل) ”اور جب تم قرآن پڑھو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگو“۔ یعنی سورۃ الفاتحہ سے پہلے بھی تخلیہ حاصل کرنا ضروری ہے۔

(۲) سورۃ الفاتحہ اور اگلی دو سورتوں کا ربط: اب دیکھئے کہ سورۃ الفاتحہ میں ہدایت طلب کی گئی ہے اور ان لوگوں کا راستہ طلب کیا گیا ہے جن پر اللہ کا انعام ہوا‘ جن پر اللہ کا غضب نازل نہیں ہوا اور جو گم کردہ راہ نہیں ہوئے۔ سورۃ البقرۃ کی ابتدا ہی اس بات سے ہو رہی ہے کہ جس ہدایت کو تم مانگ رہے ہو وہ کتابِ ہدایت کی شکل میں تمہیں دی جا رہی ہے: ﴿هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ②﴾ اور پھر سورۃ البقرۃ کی سو آیات میں (آیت چالیس سے لے کر ۱۴۰ تک) بنی اسرائیل یا یہود کا تذکرہ ہے جو اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے بحیثیت اُمتِ مسلمہ معزول کیے گئے اور پھر ان کی جگہ اُمتِ محمدی کو بحیثیت اُمتِ مسلمہ اٹھایا گیا‘ اور اس سے اگلی سورت‘ سورۂ آل عمران میں

عیسائیوں کا تفصیلی ذکر کیا گیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ مان کر گمراہ ہوئے۔ ہدایت ایمان اور اسلام کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ ایمان اگر دل کی کیفیت یقین کا نام ہے تو اسلام اس ظاہری کیفیت کا نام ہے جو ایمان کی وجہ سے اعمال ظاہرہ میں ڈھلتی ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ''ایمان'' پر زور دیا گیا ہے۔ شروع میں ﴿یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ﴾ کا تذکرہ ہے اور آخر میں ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ﴾ (آیت ۲۸۵) پر بات ختم کی جارہی ہے۔ اور سورۃ آل عمران میں ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۟﴾ (آیت ۱۹) کے حوالے سے اسلام کا بیان ہو رہا ہے۔

(۳) شیخ عدنان عبدالقادر (کویتی عالم دین) سورۃ الفاتحہ کا ربط اگلی پانچ سورتوں کے ساتھ یوں بتا رہے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ میں دعوتِ اسلامی کے اصول بیان ہو گئے ہیں:

پہلی چیز لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت ہے، جس میں توحید کی تینوں اقسام آ جاتی ہیں:

﴿رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ میں توحید ربوبیت کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱﴾

﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝۲ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝۳﴾ میں توحید اسماء وصفات کا ذکر ہے۔ ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ﴾ میں توحید الوہیت کا بیان ہے۔ اور یہ توحید اصل ثانی کے بغیر پہچانی نہیں جا سکتی اور وہ ہے نبی ﷺ کی پیروی کی جس کی طرف ﴿صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۬﴾ میں اشارہ کیا گیا ہے، اور پھر ان دونوں بنیادوں کے ثمرات کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ ہے اس کے غضب کے بجائے اس کی رضا کا حصول اور گمراہی کے بجائے ہدایت کا حصول ﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝﴾ اور یہ تیسری بنیاد بن جاتی ہے۔

(۴) اب اس دعوت کے ظہور کے بعد لوگ تین طرح کی جماعتوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں: پہلی جماعت اہلِ ایمان کی جو دعوت لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لائے، جنہیں ہدایت نصیب ہوئی اور جو کامیاب و کامران رہے اور ﴿هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ﴾ کہہ کر ان کے ذکر سے اس سورت کا آغاز ہوا۔

دوسری جماعت جس نے کفر و عناد کا راستہ اختیار کیا: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۶﴾ (البقرۃ) یہ جماعت لعنت اور عذاب عظیم کی مستحق ہوئی اور اس جماعت کی سب سے بڑی مثال کے طور پر ابلیس کا ذکر ہوا: ﴿اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝۳۴﴾ (البقرۃ)

تیسری جماعت منافقوں کی ہے جنہوں نے دروغ گوئی اور دھوکے بازی کا راستہ اختیار کیا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝۸﴾ (البقرۃ) اس جماعت نے کفر کو چھپایا اور ایمان کا دعویٰ کیا اور یوں وہ زمرۂ کفار میں شامل ہونے کے مستحق ٹھہرے اور ان کی سب سے بڑی مثال بنو اسرائیل یا یہودی ٹھہرے جن کا تفصیلی ذکر اس سورۃ میں آ رہا ہے۔

سورۃ کا اختتام بھی بطور مِسکُ الْخِتام پہلی جماعت کے ذکر کے ساتھ کیا گیا کہ آغاز بھی انہی سے تھا اور اختتام بھی، اور اس جماعت کے سرخیل کے طور پر دو جلیل القدر شخصیتوں کا ذکر کیا گیا یعنی ابراہیم علیہ السلام ﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ﴾ (آیت ۱۲۴) اور سید البشر محمد بن عبداللہ ﷺ ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا

﴿اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ﴾ اور یہی سورۃ البقرۃ کا مرکزی مضمون ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا بطور بنیاد بیان کیا جانا' جو کلمۂ شہادت کا پہلا جزء ہے اور پھر اس کے ماننے یا نہ ماننے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی جماعتوں کا بیان۔

(۵) جو لوگ پہلی جماعت میں داخل ہوئے انہیں ایک مرشد' معلّم اور راہنما کی ضرورت تھی' جو انہیں راستے کے نشیب و فراز سمجھا سکے۔ انبیاء اور رسولوں سے بہتر اور کون قائد و مربی ہو سکتا ہے؟ اور پھر ان میں سب سے زیادہ پیروی کیے جانے کا کوئی حق دار ہو سکتا ہے تو وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں: ﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ﴾ (آل عمران:۶۸) ''بلاشبہ ابراہیمؑ سے قریب تر وہ لوگ تھے جنہوں نے اس کی پیروی کی (پھر ان کے بعد) یہ نبی اور اس پر ایمان لانے والے۔'' اور اللہ کے رسول اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں اور یہی سورۂ آل عمران کا مرکزی مضمون ہے: سید البشر محمد رسول اللہ ﷺ کی متابعت' جو کہ کلمۂ شہادت کا دوسرا جزء اور دعوتِ توحید کی اصل ثانی ہے۔

(۶) دعوتِ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کے ماننے والے طہارت' پاکیزگی اور اخلاقِ عالیہ کے حامل ہونے چاہئیں' انہیں زیب دیتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح پیش آئیں جیسے کہ حقیقی بھائی ہوں اور اس طرح وہ ایک ایسی اُمت کا منظر پیش کریں جو باہم شیر و شکر ہو' خیر اور بھلائی کی دعوت دینے والی ہو تاکہ دوسری اُمتوں کے لیے مشعل راہ بن سکیں اور یہی مرکزی مضمون ہے سورۃ النساء کا' یعنی تزکیہ اور تطہیر اخلاق کی دعوت۔ اسی لیے سورۃ کا آغاز ہی وحدتِ بنی آدم سے ہوا ہے' وہ سارے کے سارے بھائی ہیں کہ ان کا ایک ہی باپ ہے اور ایک ہی ماں ہے اور وہ ایک ہی رحم سے تعلق رکھتے ہیں۔

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ﴾ (آیت ۱)

''لوگو! اپنے اُس ربّ سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا' پھر ان دونوں سے (دنیا میں) بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ نیز اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور قریبی رشتوں کے معاملہ میں بھی اللہ سے ڈرتے رہو۔''

تزکیہ اور حسن خلق' دعوتِ توحید کی تیسری بنیاد ہے' جس کا تفصیلی تذکرہ اس سورت میں ہو رہا ہے۔ ان تینوں بنیادوں کو رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اختصار کے ساتھ بیان فرما دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ، اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ)) (متفق علیه)

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی دے دیں' اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں' اگر وہ ایسا کر لیں تو پھر میری طرف سے ان کے خون اور مال محفوظ ہو جائیں گے الا یہ کہ اسلام کے کسی اور حق کی بنا پر ان کا مطالبہ کیا جائے' اور بہر صورت

اللہ ان کا حساب کتاب کرنے والا ہے۔"

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی اور ایک دوسری حدیث میں یوں ارشاد فرمایا:

((اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَاَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ))

(سنن الترمذی و مسند احمد)

"جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو برائی ہو جائے تو نیکی کر کے اسے مٹا دو اور لوگوں سے اچھے اخلاق کا برتاؤ کرو۔"

(۷) اس دعوتِ توحید میں داخل ہونا گویا اللہ تعالیٰ سے ایک عہد و پیمان باندھنا ہے تاکہ اسلام کی ان تین بنیادی باتوں کی حفاظت ہو سکے' یعنی توحید' اتباع اور تزکیہ' اور اسی لیے اگلی سورت' سورۃ المائدۃ کی ابتدا ہی عہد کی پابندی کرنے کے حکم سے ہو رہی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ﴾ (آیت ۱)

"اے ایمان والو! اپنے معاہدات کو پورا کرو۔"

قیامت کے دن جب تمام لوگوں کا محاسبہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے اس عہد کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا' ان لوگوں میں سب سے آگے آگے رسول ہیں:

﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ﴾ (المائدۃ:۱۰۹)

"جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ تمہیں (دنیا میں) کیا جواب دیا گیا تھا؟"

اور وفات کے اعتبار سے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام آخری بنتے ہیں' اس لیے ان سے خاص طور پر اسی میثاقِ الٰہی کے بارے میں سوال ہوگا:

﴿يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ﴾ (المائدۃ:۱۱۶)

"اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری والدہ کو الٰہ بنا لو؟"

اور اسی واقعہ پر سورت کا اختتام ہوتا ہے جس سے اس سورت کا مرکزی مضمون معلوم ہوا: "تینوں بنیادوں پر مبنی میثاقِ الٰہی کو پورا کرنا۔"

(۸) جس میثاقِ الٰہی کا سورۃ المائدۃ میں تذکرہ ہوا ہے وہ دعوتِ توحید اور وحدانیت خالقِ کائنات کو ثابت کرنے کے لیے مضبوط دلائل و براہین پر قائم ہے' ان میں سب سے پہلی اور سب سے واضح دلیل کائنات کی تخلیق ہے۔ فرمایا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۭ﴾ (الانعام:۱)

"تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا۔"

اور جو ان دلائل پر یقین رکھتا ہو اور انہیں حرزِ جان بنا رکھتا ہو' اسے اپنے صراطِ مستقیم پر ہونے کا پختہ یقین حاصل ہو جاتا ہے اور اس کی زبان سے یہ الفاظ جاری ہو جاتے ہیں: (باقی صفحہ 36 پر)